فانی

دو شاعروں کا انتخابی سلسل

انجمن ترقی اردو (ہند) دِلّی

اردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

فانی

انتخاب کلام شوکت علی خاں فانی

انجمن ترقی اردو ہند دلی

اردو گھر راؤز ایوینو نئی دلی - ۱۱۰۰۰۱

...nal Urdu ...

ب ؛

سلسلۂ مطبوعاتِ انجمن ترقی اردو ہند

نمبر ۴۵۱

اشاعت : ۱۹۷۴ء

قیمت : ایک روپیہ ۷۵ پیسے

مطبوعہ : کوہ نور پرنٹنگ پریس

سرورق : انوار انجم

• جملہ حقوق محفوظ •

پیش لفظ

فانی اردو کے اُن شعراء میں ہیں جو نقادوں کی مشقِ ستم کا شکار رہے ہیں۔ بعض نقادوں نے انھیں اردو کا عظیم شاعر ثابت کیا اور بعض کی نظروں میں وہ تیسرے درجے کے شاعر بھی نہیں۔ حقیقت وہ ہے اور نہ یہ۔ فانی اردو کے بڑے شاعر ہیں۔ یعنی ایسے شاعر جنھیں تاریخِ ادب اردو نظر انداز نہیں کر سکتی اور کسی بھی شاعر کا یہ منصب کچھ کم اہم نہیں ہے

میر کی طرح فانی بھی ساری زندگی غمِ دوراں سے اُلجھے رہے۔ اور لگاتار ناکامیوں اور شدّتِ غم نے انھیں بھی دل کی دنیا میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ جس کی وجہ سے اُن کی تمام شاعری حدیثِ غم کی ترجمان بن گئی۔ اسی لیے بعض لوگ میر تقی میر کے بعد فانی کو یاسیات کا امام کہتے ہیں۔

اردو غزل پر ابتدا ہی سے غم و یاسیت کا سایہ رہا۔ اس کی وجہ کچھ تو وہ سیاسی اور سماجی حالات تھے جن میں غزل نے آنکھ کھولی اور پروان چڑھی اور کچھ تصوف کی غیر معمولی مقبولیت۔ بیشتر شعراء نے کلام میں سوز و گداز پیدا کرنے کے لیے غم و اندوہ کی ترجمانی کی ہے۔ لیکن ان کے ہاں چونکہ یہ مضامین محض روایتی ہیں۔ اس لیے دل پر اثر نہیں کرتے۔ اس کے برعکس فانی کے ہاں غم کی حیثیت روایتی نہیں بلکہ مشاہدے، تجربے اور وارداتِ قلبی کی ہے۔ اُن کے ہاں غم ایک فلسفے کے نہیں بلکہ زندگی کی ایک زندہ حقیقت کے طور پر آتا ہے اسی لیے دل کو چھوتا ہے۔

غم و اندوہ ہی زندگی کی واحد حقیقت نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ

غم واندوہ زندگی کا اہم پہلو ہے۔ فانی کی شاعری زندگی کے اس اہم پہلو کی ترجمان ہے
اُن کا غم ذاتی اور شخصی ہے۔ وہ ہم عصر زندگی سے نگاہیں چرائے خود اپنی ذات میں گم
ہیں وہ داخلیت کے شکار ہیں۔ لیکن داخلیت کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو اس کی بنیاد ہمیشہ
خارجیت ہی پر ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کے آئینے میں بے شمار لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔
البتہ ان کے ہاں غم کی دھیمی دھیمی آنچ جب لپکتے شعلوں میں بدلتی ہے۔ تو قاری کے دل
ودماغ کو جھلسا دیتی ہے۔ اگرچہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن مخالفین اُن کے ایسے ہی اشعار
پر اپنی تنقید کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جو ظاہر ہے ایک غیر منصفانہ رویہ ہے۔

انجمن نے یہ انتخاب کراتے ہوئے پورا خیال رکھا ہے کہ ایسی غزلیں منتخب کی جائیں
جن سے فانی کی شاعرانہ اہمیت اور انفرادیت نمایاں ہو سکے۔

● خلیق انجم

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سُن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا

وہ بدگماں کہ مجھے تابِ رنجِ زیست نہیں
مجھے یہ غم، کہ غمِ جاوداں نہیں ملتا
مجھے بُلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا
تجھے خبر ہے ترے تیرِ بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا
بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگادے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

مرا وجود ہے میری نگاہ خود نہ شناس
وہ راز ہوں، کہ نہ ہوتا جو راز داں ہوتا
سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار
نہ موجِ بوئے گل اُٹھتی نہ آشیاں ہوتا

برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت — تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا
محرومیاں ذریعۂ الہامِ ذکر تھیں — نالوں پہ انحصارِ پیامِ سروش تھا

تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لئے ہوئے — پہلو میں آپ تھے کہ دلِ ناصبور تھا
تھی اُن کے روبرو بھی وہی شانِ اضطراب — دل کو بھی اپنی وضع پہ کتنا غرور تھا

عشق کی دنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا
دل کی ہر کروٹ میں اک دنیا بنی اک مٹ گئی
ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا

شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں — آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا
فانیؔ گو کیسا ہی سہی، پھر بھی تجھ سے نسبت تھی — دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا

ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے
دیکھا تو محبت میں یہ کام بھی مشکل تھا
ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے
وہ فانیِ ناکارہ سچ ہے اسی قابل تھا

مفہوم کائنات تمہارے سوا نہیں — تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہاں نہ تھا
آزردہ تھا کہ ضبطِ فغاں میں اثر نہیں — شرمندہ ہوں کہ ضبطِ فغاں رائگاں نہ تھا

کچھ سمجھ کر خود ہی ہم نے جان دے دی دل کے ساتھ
اُن کی نظروں کا ابھی ایسا تقاضا کچھ نہ تھا

قاتل ہی مرا کیوں اسے کہتا ہے زمانہ — مانا وہ شریکِ صفِ ماتم نہ ہوا تھا
پاتے ہی خجل رحم کا دریا اُمڈ آیا — پردہ مری آنکھوں کا ابھی نم نہ ہوا تھا
گھر خیر سے تقدیر نے ویرانہ بنایا — سامانِ جنوں مجھ سے فراہم نہ ہوا تھا

دل میں فانی اک نہ اک ہنگامہ برپا ہی رہا
شوق تھا جب تک کسی کے شوق کا ماتم نہ تھا

کیوں جفا کیش، کبھی تو بھی جفا کوش نہ تھا
وہ بھی دن تھے کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا
بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا

عشق اور مایوسیاں، مایوسیاں کہنے کو ہیں
عہدِ ترکِ آرزو خود آرزو مندانہ تھا
ہم قیامت کو قیامت ہی نہ سمجھے صبحِ حشر
حشر تک آنکھوں میں شاید جلوۂ جانانہ تھا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اُٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دُھواں دل سے اُٹھا
موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ تھی
زندگی مجھ پہ وہ الزام، کہ مشکل سے اُٹھا

تم جسے در سے اُٹھا دیتے تھے — آج دُنیا سے وہ ناکام اُٹھا
ہل گئی پھر مرے دل کی دنیا — درد پھر لے کے ترا نام اُٹھا

اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک — اُٹھ اور جگر کے پار ہو جا

یہ دردِ محبت بھی کیا شے ہے معاذاللہ
میں دردِ محبت سے کہتا ہوں سوا ہو جا

گھبرا گیا خرد کی تاریکیوں سے فانی — اے نورِ عشق دل کی گہرائیوں میں بھر جا

بھر لے نگہِ آخر بے رنگ میں ہر رنگ — دنیا کو بھی لیتا ہوا دنیا سے گزر جا
خالی لئے بیٹھا ہوں تری بزم میں ساغر — مے میرے مقدر میں نہیں زہر ہی بھر جا

اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیہ ماتمِ فانی میں بکھر جا

ذرّے میں ہے گم وسعتِ صد عالمِ صحرا — ذرّے کو سمجھ وسعتِ صحرا سے گزر جا

دل و جگر پہ گزر جائے گی جو گزرے گی
تری نظر سے جو فتنے اٹھیں اٹھائے جا

میں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمہیں یقینِ وفا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا تمہیں نہیں اعتبار میرا

کیوں جنوں پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہے مرے دامن سے گریباں میرا

احساسِ محبت ہی مری موت ہے فانی
اس زندگیِ دل نے مجھے جان سے مارا

لالے پہ جھک پڑی ہے گلِ یاسمیں کی شاخ
یا دستِ نازنیں میں ہے ساغر شراب کا

ہائے وہ دُھن تجھے مشقِ ستم بے جا کی
ہائے وہ روز نئے ظلم اُٹھانا دل کا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا
کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانیؔ
آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا

اُٹھتی نہیں ہے تہمتِ نظارہ جمال
مُنھ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا
فانیؔ دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

ہل گیا زنداں بُرا ہو نالۂ شبگیر کا
چونک اُٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا
میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر
کیا یہ ساری عمر مُنھ تکتی رہیں تقدیر کا

تجلیاتِ وہم ہیں مشاہداتِ آب و گل
کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا

میں نزع میں ہوں عہدِ وفا کا محل نہیں
وعدہ نہ کر کہ وقت نہیں اعتبار کا
فانیؔ یقینِ وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

جنونِ شکوۂ بیداد پہ خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا
تعینات کی حد سے گذر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا

نام بد نام ہے ناحق شبِ تنہائی کا
وہ بھی اک رُخ ہے تری انجمن آرائی کا
خود ہی بے تاب تجلّی ہے ازل سے کوئی
دیکھنے کے لئے پردہ ہے تمنائی کا

ظلم سے تم توبہ نہ کرو گے آہ سے کیوں باز آئیں ہم
تم نہ سہی فریاد کی اللہ تو ہے فریادی کا

شبِ غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی
ترا کام اے اجل اب خنجرِ قاتل سے نکلے گا

نگاہِ شوق میرا مدعا تو اُن کو سمجھا دے
مرے مُنھ سے تو حرفِ آرزو مشکل سے نکلے گا

ادائے تغافل کے مارے ہوؤں پر — ستم بھی کرو گے تو احسان ہو گا

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا
دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا

اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے دو دو اثر
واں کھلا بابِ اجابت یاں قفس کا در کھلا
دم بخود سکتے کا عالم مردنی چھائی ہوئی
رنگ میری زندگی کا میری میت پر کھلا
دیکھیے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

دبی زباں سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے زہر میں دوا نہ تھا

بنیادِ جہاں کیا ہے مجبورِ فنا ہونا — سرمایۂ ہستی ہے محرومِ بقا ہونا

ہائے باتوں میں تری لغزشِ مستانۂ ناز
ہائے آنکھوں میں تری نشۂ صہبا ہونا

وے ترا حُسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو، اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا
خاکِ فانیؔ کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں
کس سے سیکھا ترے ذروں نے بیاباں ہونا

فرمانِ سحر تیرا ہر شام پہ جاری ہے
یارب شبِ غم کو بھی تاکیدِ سحر فرما

پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں
یعنی ہے اب اللہ نگہبانِ تمنا

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا
وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا
میرے دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہے،
تم کسی دن نبضِ دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا

حُسن بے تابِ تجلی ہے اور آنکھیں محروم
تھا مگر شوق ہی انکارِ تقاضا اپنا

کیوں فلک یہ کوئی گردش میں ہے گردش کہ ہنوز
تجھ سے بدلا نہ گیا رنگِ تمنا اپنا

ہم ہیں اُس کے خیال کی تصویر — جس کی تصویر ہے خیال اپنا
دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہے — یادِ جاناں قدم سنبھال اپنا

فصلِ گل جو یاد آئی، آشیاں بھی یاد آیا
فصلِ گل میں اجڑا تھا شاید آشیاں اپنا

کیا ہوئیں داورِ محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فردِ عمل میں تری رحمت کے سوا

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار — مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

فغاں نے کوئی اثر تو کیا یہ کیا کم ہے — یہی سہی کہ وہ آزردۂ فغاں نہ ہوا
ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانی — ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا

نگہِ قہرِ خاص ہے مجھ پر | یہ تو احساں ہوا ستم نہ ہوا
بت نے ہر رنگ میں خدائی کی | دل مگر دیر سے حرم نہ ہوا
رہ گئی حسرتِ وفا باقی | دل کو اندازۂ ستم نہ ہوا

ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض
وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرف خواب ہوا
وہ جلوہ مفت نظر تھا نظر کو کیا کہیے
کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا

ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر
موت نے عمرِ دو روزہ کا بہانہ چاہا

حالِ دل کس امید پہ کہیے | جب تمھیں اعتبار ہی نہ رہا

تم مجھ سے کیا پھرے کہ قیامت سی آ گئی
یہ کیا ہوا کہ کوئی کسی کا نہیں رہا

موت کا انتظار باقی ہے | آپ کا انتظار تھا نہ رہا

سنگِ در دیکھ کے سر یاد آیا　　کوئی دیوانہ مگر یاد آیا
ہر تبسم پہ یہ کھاتا ہوں فریب　　کہ انھیں دیدۂ تر یاد آیا
اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانیؔ　　کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا

فریبِ جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ
بڑی مشکل سے دل کو بزمِ عالم سے اٹھا پایا

نازک ہے آج شاید حالت مریضِ غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا کیوں زار زار رویا

اب مری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہیں
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا •
آپ ہم اپنی آگ میں اے غمِ عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

رنج پایا دل دیا سچ ہے مگر یہ تو کہو
کیا کسی نے دے کے پایا کس نے کیا پا کر دیا

وہ پوچھتے ہیں ہجر میں ہے اضطراب کیا • حیران ہوں کہ دوں انھیں اس کا جواب کیا

اپنے کمالِ شوق پر حشر کا دن ہے منحصر
وعدۂ دید چاہیئے زحمتِ انتظار کیا

اذنِ ہنگامۂ نگاہ نہ دے   کیا ہماری بساط اور ہم کیا

بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں   تو نے آہِ آتشیں یہ کیا کیا

نذر دینے لائے تھے ہم جلوۂ جاناں کو دل
وہ بھی صرفِ کشمکش ہائے تماشا ہو گیا

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا
موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا

اس کے دامن سے الجھتا ہے، ادب اے دستِ شوق
یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہو گیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا
فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

دنیا میں حالِ آمد و رفتِ بشر نہ پوچھ
بے اختیار آ کے رہا بے خبر گیا
آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں
یہ جانتا ہوں دل اِدھر آیا اُدھر گیا
فانیؔ کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

وعدے کی رات گردشِ افلاک رُک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

دل بس اک لرزشِ پیہم ہے سراپا یعنی
میرے آئینے کو آتا نہیں حیراں ہونا

محتاجِ اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا
غیرت ہے تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

رازِ ضبطِ غم الٰہی کس نے افشا کر دیا
ہے انھیں میری خموشی پر گمانِ اضطراب

عشق ہے پرتوِ حسنِ محبوب آپ ہی اپنی تمنّا کیا خوب
طلبِ محض ہے سارا عالم کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلوب

آسماں کا شکر واجب ہے گلہ جائز نہیں
آسماں سے ملتی جُلتی ہے جہاں تک خوئے دوست

اللہ بچائے غمِ فرقت وہ بلا ہے
مُنکر کی نگاہوں پہ بھی چھا جائے قیامت

دردِ دل کی اُنھیں خبر کیا ہو جانتا کون ہے پرائی چوٹ
یوں نہ قاتل کو جب یقیں آیا ہم نے دل کھول کر دکھائی چوٹ

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں
بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیّاد
چمن میں دل ہے تو میری نگاہ میں ہے چمن
چمن سے تو مجھے لے جائے گا کہاں صیّاد

دُنیا جسے کہتا ہے زمانہ فانی
ہے ایک طلسم اجتماعِ اضداد

لنگر کا آسرا ہے نہ تائیدِ ناخدا
میرے سپرد ہے مری کشتی خدا کے بعد

رُلایا عمر بھر خونِ جگر اک اک مصیبت پر
مٹا کر دم لیا پتھر پڑیں دردِ محبّت پر

متاعِ یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں
سو وہ اک اک گھڑی بھاری ہے اب بیمارِ ہجراں پر
مری دیوانگی کی شرح میرا ہوش ہے فانیؔ
گریباں ہے مگر وحشت برستی ہے گریباں پر

ہنسی آتی ہے تیری سادگیِ شوق پر فانیؔ
وہ میّت ہی پہ کب آئے جواب آئیں گے مدفن پر

مرے آشیاں پہ عجب نہیں کبھی برق قصدِ کرم کرے
مگر آہ درخورِ پیش کش نہ وہ مُشتِ خس نہ یہ چارہ

بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر

میں دعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر
ورنہ یارب شبِ فرقت کی سحر پیدا کر

ہر تسلّی سے سوا ہوتی گئی دل کی تڑپ
درد کچھ سے کچھ ہوا سامانِ درماں دیکھ کر

اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
میں ہوں دنیائے محبّت مجھے برباد نہ کر

درد دیا کرم کیا اب اسے لا دوا بنا
شیشۂ دل عطا کیا اب اسے پاش پاش کر

اللہ رے اعتمادِ محبّت کہ آج تک
ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کئے بغیر

جی ڈھونڈھتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور
شاید ہیں در خور نگہ گرم بھی نہیں
بجلی تڑپ رہی ہے مرے آشیاں سے دور

اب نئے سر سے چھیڑ پردۂ ساز
میں ہی تھا ایک دکھ بھری آواز
کھل گیا میری زندگی کا راز
اے شبِ ہجر تیری عمر دراز

ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم
میری ہستی ہے غیب کی آواز
آج اچھے نہیں الٰہی خیر
درد کے تیور آہ کے انداز

ہاں شبِ ہجر آج صبح نہ ہو
ہاں چلی جائے یادِ زلفِ دراز
چشمِ حاسد مجھے نہ دیکھ سکی
ہوں دلیلِ بلندیِ پرواز

دل چُرا کر نگاہ ہے خاموش
ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش
ہر مسافر سے پوچھ لیتا ہوں
خانہ برباد ہوں کہ خانہ بدوش

دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنا دیا
دنیائے درد عالمِ حسرت جہانِ داغ

موت ہے ایک وقفۂ موہوم
زندگانی سے زندگانی تک
مہربانی کی آس رہنے دے
کون جیتا ہے مہربانی تک
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرّۂ خاکِ دل
ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقبل

مجھے عزیز ہے فریادِ موت کی تعجیل ۔ کہ موت کی یہ تمنّا ہے زندگی کی دلیل

ترے خیال کو واجب کیا محبت نے
ترے خیال کی ممکن نہ تھی کوئی تشکیل

وادیِ شوق میں وارفتۂ رفتار ہیں ہم
بے خودی کچھ تو بتا کس کے طلبگار ہیں ہم
وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

مجھ پہ رکھتے ہیں حشر میں الزام
آنہ جائے زباں پہ تیرا نام
ضبط کی کوششیں بھی جاری ہیں
درد بھی کر رہا ہے اپنا کام
کس سے اب درد کی دوا چاہوں
درد اُٹھتا ہے لے کے تیرا نام

تم دل میں بھی رہ کے دور سے ہو
کچھ اور قریب چاہتا ہوں

لذّت کشِ آرزو ہوں فانیؔ
دانستہ فریب کھا رہا ہوں

بزمِ الست دارِ فنا جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے اُن کی تمنا کہاں کہاں

مری آنکھوں سے بہنا چاہیئے دل کا لہو برسوں
رہی ہے ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں
نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوقِ بے حد نے
مری وحشت نے توڑا ہے طلسمِ رنگ و بو برسوں
تجھے اور حالِ دل سے بے تغافل توبہ کر توبہ
کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں

ہاں اے یقینِ وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے
یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں
وہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فانی
شرمندۂ اثر ہیں روٹھی ہوئی دعائیں

دادِ مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے
ٹھہرا سے موت کہ قاتل کو پشیماں کرلیں

اہلِ دنیا مجھے سمجھ لیں گے   دل کسی دن ذرا لہو تو کریں

وہ اُدھر رُخ ادھر ہے میت کا
لوگ فانی کو قبلہ رو تو کریں

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخم دل پیدا کریں یا زخم دل اچھا کریں
جسم آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

شوق نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
ان کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردہ کریں

ناخوش گوار ہے جو محبّت کا تذکرہ
اچھا تو لاؤ اور کوئی گفتگو کریں

رسم وفا سے بے خبر ہم بھی نہیں مگر حضور
بس بھی تو آنسوؤں پہ ہو دیدۂ تر سے کیا کہیں

وعدوں پہ ہیں کیوں ناحق امید کی تاکیدیں
بندھتی ہیں کہیں ظالم ٹوٹی ہوئی اُمیدیں

جلوۂ اختیار سے نسبت جبر ہے مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہوں وادیِ برقِ ناز میں
بے اثری مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے آہِ اثر گداز میں

امکانِ معرفت کو سمو کر محال میں
وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں
ملتی نہیں تصوّرِ ہستی سے اب نجات
گھر سا گیا ہوں حلقۂ دامِ خیال میں
آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا
لانا پڑا تمھیں کو تمہاری مثال میں

گم کردہ راہ ہوں قدمِ اوّلیں کے بعد
پھر راہ بر مجھے نہ ملا راہ بر کو میں
وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں
بہلا نہ دل نہ تیرگیِ شامِ غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
دو تین ہچکیوں میں دمِ نزع کہہ گیا
شرحِ درازِ زندگیِ مختصر کو میں

نہ دن کو چین ہیں نہ راتوں کو تیری طرح اُداس
جلے ہوئے تو چراغِ مزار ہم بھی ہیں

بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل
تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں
فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے ہیں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

تو اور کہیں ہم اور کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہے
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہے تو سہتے ہیں

دل کی ہر لرزشِ مضطر پہ نظر رکھتے ہیں
وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں
درد میں لطفِ خلش کیفِ کشش پاتا ہوں
کیا وہ پھر عزمِ تماشائے جگر رکھتے ہیں
بے بسی دیکھ یہ سو بار کیا عہد کہ اب
تجھ سے امید نہ رکھیں گے مگر رکھتے ہیں

دل میں آتے ہوئے شرماتے ہیں
اپنے جلووں میں چھپے جاتے ہیں
ہر نصیحت سے ہے نرالی ناصح
ورنہ سمجھے ہوئے سمجھاتے ہیں
دل سے فانیؔ یہ اُلجھ پڑنا کیا
آپ دیوانے کے مُنھ آتے ہیں

مجھ کو شکایتِ ستمِ ناروا نہیں
دل کی سزا یہی ہے تمہاری خطا نہیں

دردِ فراق زخمِ جگر حسرتِ وصال
فانیِؔ غم نصیب کی قسمت میں کیا نہیں

ایک تم ہو کہ تمہارے ہیں پرائے دل بھی
ایک میں ہوں کہ مرا دل مرے قابو میں نہیں

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

شکرِ بیداد سے فارغ لبِ فریاد نہیں
اس تکلف سے ہے بیداد کہ بیداد نہیں

میری نظروں میں تو بے واسطۂ دید ہے تو
میں بعنوانِ تجلی بھی تجھے یاد نہیں

مجھے یہ دعوتِ روزِ حساب کیوں یارب
مرے گناہ تو شرمندۂ حساب نہیں

کچھ ہمیں کو یہ زندگی ہے عزیز
ان کی بے داد کا قصور نہیں

بزمِ اربابِ نظر ہے کب سے تیری منتظر
آ، کہ دل کا نام باقی رہ گیا ہے دل نہیں
وہ مسافر ہوں جو ہو ختمِ سفر سے بے نیاز
میری ہر منزل نشانِ راہ ہے منزل نہیں

بجلی کہیں گری ہو مگر ہم قفس مجھے
ڈر ہے کہ اب کسی نے کہا آشیاں "نہیں"

دریائے محبت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے یوں نام کا ساحل کوئی نہیں

کشتیِ اعتبار توڑ کے دیکھ کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں
مسکرائے وہ حالِ دل سُن کر اور گویا جواب تھا ہی نہیں

جن میں تمہارا نور رہا تھا اُن میں اندھیرا رہتا ہے
جب سے گئے ہو آنکھوں میں آنسو تو بہت ہیں نور نہیں

ساحل پہ جا لگے گی یوں ہی کشتیِ حیات
اپنا خدا تو ہے جو نہیں ناخدا نہ ہو
اچھا حجاب ہے کہ جب آتے ہیں خواب میں
پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو
دل ہی نہیں ہے جس میں نہ ہو دردِ عشق کا
وہ درد ہی نہیں ہے جو ہر دم سوا نہ ہو

غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو

خدا رکھے محبت کو نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
اجل کہتے ہیں جس کو وہ ہماری زندگی کیوں ہو

خدا سے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے فانی
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ
سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
وہ اٹھا شورِ ماتم آخری دیدار میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعش فانی دیکھتے جاؤ

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو
بیاباں کو یہاں لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرّے
یہی ذرّے اڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو
نظر سے جب ملی ان کی نظر دل میں اتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو

بہار لائی ہے پیغامِ انقلابِ بہار
سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مُسکرانے کو
نہ پوچھئے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری
نہ چھیڑیئے مرے بھولے ہوئے فسانے کو
یہ شعبدے یہ کرشمے کسے میسّر تھے
تری نگاہ نے سکھلا دئے زمانے کو

تو نے فراقِ دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبرِ دل جگہ جگہ
رو رو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں
ہنستی ہے مجھ پہ دوریٔ منزل جگہ جگہ

ہر موجِ شکن سے اک طوفانِ بہار اُٹھا
جھاڑا مری وحشت نے جب دامنِ ویرانہ

حیرت نے مجھے تیرا آئینہ بنایا ہے
اب تو مجھے دیکھا کر اے جلوۂ جانانہ
فانی ہی نہیں فانی میں درسِ فنا بھی ہوں
افسانۂ عبرت ہوں اور عبرتِ افسانہ

زندگی جادۂ بے منزل ہے
مسلکِ رہبر و راہی کو نہ پوچھ
غلط انداز نگاہوں کو سنبھال
میری گستاخ نگاہی کو نہ پوچھ

تیری تجلیوں سے کسی طرح کم نہیں
دل کی تجلیوں کو کبھی دل میں آکے دیکھ
ہاں اہلِ دل کے حال سے غفلت محال ہے
اچھا یقیں نہیں ہے مجھی کو بھلا کے دیکھ
فانی سفینہ اب بھی نہ ڈوبے تو کیا کرے
طوفان کو نہ دیکھ ستم ناخدا کے دیکھ

ہاں نہ تھا بابِ اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی
آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

جب میں نے دعاؤں کا رُخ سوئے فلک دیکھا
تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی

دُنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے
دُھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی
دل اُن کے نہ آنے تک لبریزِ شکایت تھا
وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی
فانیؔ غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

لب ریزِ تموج تھا اک اک خطِ پیمانہ
محفل سے جو وہ اُٹھے لیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

گردش وہی یہاں بھی سپہرِ کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی
اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے
میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی
بعدِ فنا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

اپنی جنت مجھے دکھلا نہ سکا تو واعظ
کوچۂ یار میں چل دیکھ لے جنت میری
شکوۂ ہجر پہ سر کاٹ کے فرماتے ہیں
پھر کروگے کبھی اس منہ سے شکایت میری
تیری قدرت کا نظارہ ہے مرا عجزِ گناہ
تیری رحمت کا اشارا ہے ندامت میری
فیض یک لمحۂ دیدار سلامت فانیؔ
غم ہر روز ہے بڑھتی ہوئی دولت میری

ڈرو نہ تم کہ نہ سُن لے کہیں خدا میری
کہ روشناسِ اجابت نہیں دُعا میری
وہ تم کہ تم نے جفا کی تو کچھ بُرا نہ کیا
وہ میں کہ ذکر کے قابل نہیں وفا میری
چلے بھی آؤ کہ دُنیا سے جا رہا ہے کوئی
سُنو، کہ پھر نہ سنوگے تم التجا میری

خوش ہوں کہ ترے غم میں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں
جینا ہے ہوس کوشی مرنا ہے ریاکاری

سرکارِ محبت سے فرمانِ سکوں آیا
گزری جو حدِ شورش سے جب شورشِ بیداری

کرم بے حساب چاہا تھا ستم بے حساب میں گزری
کچھ کٹی ہمتِ سوال میں عمر کچھ امیدِ جواب میں گزری

جو آئے ہو تو ٹھہرو دم نکلتا دیکھتے جاؤ
مری جاں میہمانِ لب ہے اندوہ بھی کوئی دم کی
چمن میں شام آئے شب گزاری صبح چل نکلے
ملی تھی کیا ازل میں زندگانی ہم کو شبنم کی

ہم اپنے جی سے گزرے یوں سحر کی
شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
انھیں بے چین کرنا چاہتا ہے
قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی
مرا قتل ان کے ہاتھوں یہ تو باتیں
کچھ ان کے منھ کی ہیں کچھ نامہ بر کی

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانوں کی
دامنوں کی ہے خبر اب نہ گریبانوں کی
فصلِ گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی
دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی
طوق منّت کے بڑھا ہو گئی منّت پوری
بیڑیاں موسم نے کاٹیں ترے دیوانوں کی

ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد
نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی
نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر
وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

زباں کٹتی ہے ذکر آشیاں پہ
تمنا بھی بہت تھی آشیاں کی

گری نہ برق کچھ اس خوف سے ہرے ہوتے
تڑپ کے آگ بجھا دوں نہ آشیانے کی
زمانہ کفرِ محبت سے کر چکا تھا گریز
تری نظر نے پلٹ دی ہوا زمانے کی

پلٹ پلٹ کے قفس ہی کی سمت جاتا ہوں
کسی نے راہ بتائی نہ آشیانے کی

دیر میں یا حرم میں گزرے گی　　عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی
کچھ امیدِ کرم میں گزری عمر　　کچھ امیدِ کرم میں گزرے گی

بے ذوقِ نظر بزمِ تماشا نہ رہے گی
منھ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی
دل لے کے یہ کیا ضد ہے کہ اب جان بھی کیوں ہو
یہ بھی نہ رہے گی بہت اچھا نہ رہے گی
ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانی
جس دن مجھے مرنے کی تمنا نہ رہے گی

اب یہی اپنی زندگی ہے تو خیر　　زندگی بھی گزر ہی جائے گی

ذوقِ نظارہ سلامت چاہئے
جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی
آپ نے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانی کی تربت دیکھ لی

کیونکر میں کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینے کی حیرانی
کیا ہم شب وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی
یاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی
فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غم راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

کھو گئے ہم کچھ اس طرح فانی
کہ انھیں جستجو کئے ہی بنی

مرحوم کس ادا کے تماشائیوں میں تھا
پھرتی ہے دل کی لاش تماشا بنی ہوئی

حساب حسرتِ جرم نظارہ دل سے پوچھ
نظر تو ایک جھلک کی گناہگار ہوئی
بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہید تبسم ہوئی بہار ہوئی

آہ اب تک تو بے اثر نہ ہوئی
کچھ تمھیں کو مری خبر نہ ہوئی
ترکِ تدبیر کو بھی دیکھ لیا
یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی
آج تسکینِ دردِ دل فانؔی
وہ بھی چاہا کئے مگر نہ ہوئی

اللہ رے سکونِ قلب اس کا دل جس نے لاکھوں توڑ دیئے
جس زلف نے دنیا برہم کی وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی

تاکید ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی
مطلب یہ ہے کہ دور سے دیکھا کرے کوئی
آتے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار
گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی
وہ درد دے کہ موت بھی جس کی دوا نہ ہو
اُس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

ہر چند کہ ہے لیکن ملتا ہے نشاں کوئی
پہلو میں تجھے ڈھونڈھے اے درد کہاں کوئی

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اُس نے کہا کہیے
تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہے زباں کوئی
برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ
دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی

برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا
آہ ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی

اُس وعدہ فراموش سے یہ کون کہے
کب سے تری راہ تک رہا ہے کوئی
ٹھہرا ہے یہ اب ذکرِ وفا کا مفہوم
کچھ جوشِ جنوں میں بک رہا ہے کوئی

یوں مٹ گئی وفا کہ زمانے کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

لے امتیازِ جور ہی ہم نے اُٹھا دیا
تو بے وفا نہیں ہے تو اچھا یہی سہی

اے دمِ واپسیں ٹھہر، دردِ فراق المدد
ایک ہی آج اشکِ غم حاصلِ آستیں سہی

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی
اور بے وفا جو کل بھی نہ یہ آج کل گئی
تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی
کچھ کہہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہے
سُنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی
تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ
طور پر اک شمع جل کر رہ گئی
زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت
زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی
چُن لیا تیری محبت نے مجھے
اور دُنیا ہاتھ مل کر رہ گئی

فرصتِ یک نظر کے بعد حوصلۂ دعائے دل
کیوں دلِ قدر ناشناس اب یہ مجال ہوگئی

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے
تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے
تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے

کیوں نہ نیرنگِ جنوں پر کوئی قرباں ہو جائے
گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے
غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں
دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے

خلد مے خانے کو کہتے ہیں بقولِ واعظ
کعبہ بُت خانے کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے

ہاں ناخنِ غم کمی نہ کرنا — ڈرتا ہوں کہ زخمِ دل نہ بھر جائے
کر خوئے جفا نہ یک بیک ترک — کیا جانئے مجھ پہ کیا گزر جائے

ضبط کا حوصلہ نکل جاتا — کچھ ستم اور بھی کئے ہوتے
کچھ سمجھ کر قفس میں اے صیّاد — چار تنکے ہی رکھ دئے ہوتے

دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں
درد جب تک نہ ملے دل نہیں ہونے پاتے
تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

تقدیرِ محبت تھی مر مر کے جئے جانا
جینا ہی مقدر تھا ہم مر کے بھی کیا کرتے
احباب سے کیا کہئے اتنا نہ ہوا فانیؔ
جب ذکر مرا آتا مرنے کی دعا کرتے

موت کی نیند سو گئے بیمار — روز کس شام کو سحر کرتے
سچ ہے ہر نالہ کیوں رسا ہوتا — میرے نالے تھے کیوں اثر کرتے
طولِ روداد غم معاذ اللہ — عمر گزری ہے مختصر کرتے

امید کے وعدوں سے دل کچھ تو بہلتا تھا
اب یہ بھی ترے غم کو منظور نہیں ہوتے

ہم ہیں وہ بلادوست کہ گلشن کا تو کیا ذکر
جنّت بھی بجائے قفس و دام نہ لیتے
اک جبر ہے یہ زندگیِ عشق کہ فانیؔ
ہم مفت بھی یہ عیشِ غم انجام نہ لیتے

انھیں انہی کی نگاہوں سے ہیں نے دیکھ لیا
مری نگاہ کا پردہ اُٹھا کے آئے تھے

بزمِ جاناں میں نہیں قابلِ شرکت دلِ زار
کہ یہ دیوانہ ہے کیا جانئے کیا کر اُٹھے
ہے انھیں مدّنظر آج تماشا دل کا
درد سے کوئی یہ کہہ دے کہ سنبھل کر اُٹھے

تری جفا سے ہے بڑھ کر مری وفا کا شمار
وگرنہ تو ہی بتا دے حساب کرکے مجھے

نہیں کہ وحشتِ دل چارہ گر نہیں ہے مجھے
جنوں چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے
جنوں سہی اثرِ بے خودیِ غم نہ سہی
تمھیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے

پا لیا ذوقِ طلب نے ماورائے دل مجھے
جب مجھے منزل نے کھویا مل گئی منزل مجھے

حد پہ جب پہنچی نظر حدِّ نظر آگے بڑھی
جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے
میں نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

حکمِ وحشت ہے کہ زنداں کو بھی صحرا جانو
دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے

وحشتِ تازہ کا نوروز مبارک اے عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعتِ عریانی دے
خلشِ درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم
جنسِ حرماں کو خدا عزتِ ارزانی دے
اپنے دیوانے پہ اتمامِ کرم کر یارب
درو دیوار دیئے اب انھیں ویرانی دے

یقینِ لطف میں گُم کر، نہ لذّتِ بیداد
جو ہو سکے تو غمِ انتظار رہنے دے

حیرت کدۂ ناز میں دل بھی ہے نظر بھی
اے دوست جسے آپ سے بیگانہ بنا دے
اک بوند لہو کی ہے تو یہ حال ہے دل کا
وہ موجِ تبسم کہیں دریا نہ بنا دے

آدابِ طلب سیکھ طلب بے ادبی ہے
مجرم ہے وہ سائل جو درِ دل پہ صدا دے
جو سوزِ محبت سے ہوا سرد وہ دل ہوں
وہ شمع ہوں جس کو پرِ پروانہ بجھا دے

اے اجل گھبرائے گا تنہائیِ تربت سے دل
یہ ابھی بھولا نہیں ہے جوشِ وحشت کے مزے

من جائیں اگر تم ہمیں چھوڑو بھی منا لو
وعدے سے تسلّی سے دلاسے سے قسم سے

چُرا اگر دل پلٹ جانا مکرنا   یہ چالیں سیکھ لیں تم نے کہاں سے

یا میرے بے شمار گناہوں سے درگزر
یا میرے عذر سُن کرمِ بے حساب سے

مُنھ ڈھانپ لیا جوشِ ندامت کے اثر سے
خورشید قیامت نے مرے دامنِ تر سے
دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے

کب تک رہینِ ذوقِ تماشا رہے کوئی
اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

دوری ہی پھر اچھی تھی نزدیکیٔ منزل سے
کشتی کو بلا ساحل ٹکرا گئی ساحل سے
شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر
آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے
غربت میں غنیمت ہے اتنا بھی نشاں فانیؔ
کچھ خاک کے ذرے ہیں لپٹے ہوئے منزل سے

چونک پڑتے ہیں ذکرِ فانی سے
نیند اچٹتی ہے اس کہانی سے

آہ سے یا آہ کی تاثیر سے
جی بہل جاتا کسی تدبیر سے

دادِ خود نمائی لے وحدتِ تمنا سے
آئینہ طلب فرما کثرتِ تماشا سے
اور ہو نہ ہو حاصل انتظارِ فردا سے
اُٹھ گیا محبت کا اعتبار دنیا سے
قصۂ جنوں اب تک یاد ہے مگر اتنا
انتہا ہے ذروں پر ابتدا ہے صحرا سے

ساتھ جائے گا مری میت کے سامانِ خلش
دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں نے تیرے تیر کے
ہاس کے آتے ہی ارماں دل سے یہ کہہ کر چلے
ہم نہیں ساتھی تری بگڑی ہوئی تقدیر کے

یہاں بلائے شبِ غم وہاں بہارِ شباب
کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

اُبھری ہوئی ہے چوٹ دلِ دردمند کی
رکھنا قدم تصوّر جاناں سنبھال کے
ہنگامۂ شباب ہے اے دل ذرا ٹھہر
جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے

وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں
بُت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے
لذتِ فنا ہرگز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانی موت کی دُعا کر کے

کچھ ہوش گنوانے کے چرچے کچھ ہوش میں پھر آجانے کے
یہ دونوں عالم کچھ بھی نہیں ٹکڑے ہیں مرے افسانے کے
بیداد پہ کہیے اف نہ کریں کہیے تو تڑپ کر دم دے دیں
کچھ شغل ہمیں بھی آتے ہیں سرکار کا دل بہلانے کے

خلشیں تھیں ہمارے دم کے ساتھ آج کانٹے نکل گئے دل کے
تیز تر جادۂ وفا سے گزر مٹ رہے ہیں نشان منزل کے
ل بھی جاتے ہیں چھوٹنے والے چھوڑ جاتا ہے یوں کوئی مل کے
اُن کی نظریں ہی کچھ کہیں تو کہیں اُن کی نظروں نے کیا کیا مل کے

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے
ہم نے گن گن کے لئے خونِ وفا کے بدلے
کفن اے گردِ لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے

بلاکشوں کا تمہاری بلا کرے ماتم
جو غم اُٹھانے کو آئے تھے غم اٹھا کے چلے

میری عادت ہے وفا اُن پہ کچھ احسان نہیں
تھا مجھے ذوقِ وفا اُن کی جفا سے پہلے
دو گھڑی کے لئے میزانِ عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے
دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

کچھ اور حسین ہو گئے آپ — یہ بات نہ تھی ستم سے پہلے

اے تری شان کہ بتخانہ تو کعبہ بن جائے
دل کہ مسکن ہے ترا کعبے سے بتخانہ بنے
لب تک آجائے غمِ ہجر تو شکوہ ہو جائے
آپ سُن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

کترے ہیں یہ گل تیری اک جنبشِ دامن نے
یوں کر نہ لئے پیدا دو پھول بھی گلشن نے
کل تک یہی گلشن تھا صیّاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے

مجموعۂ آدابِ دو عالم ہے محبت
مرنے کے سلیقے ہیں نہ جینے کے قرینے
آئینہ بصد جلوہ و ہر جلوہ بصد رنگ
کیا کیا نہ کیا تیری تماشا طلبی نے

افشائے رازِ اہلِ جنوں مصلحت نہیں
پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کئے ہوئے

کیوں اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

ہنگامِ نزع راہ تری دیکھتا ہوں میں
آنکھوں میں زندگی کا تقاضا لئے ہوئے
دیکھا نہ اہلِ دل نے کسی دن اُٹھا کے آنکھ
دُنیا گزر گئی غمِ دُنیا لئے ہوئے

منہ سے کہئے یا نہ کہئے مل گیا ہم کو جواب
آپ کے تیور کہے دیتے ہیں جو کچھ دل میں ہے

کاش میں واقف نہ ہوتا رسم و راہِ عشق سے
کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے

کیا ہے خلق مجھے باوجودِ علمِ گناہ
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

غبارِ رشکِ خارستانِ حسرت یاس کے منظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے
تمہارے ظلم، طعنے غیر کے، لوگوں کے آوازے
محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے
شبِ فرقت میں، ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے مزاجِ دل تو اچھا ہے

حجابِ زعمِ تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں
رہی نگاہ، یہ پردہ تو اُٹھ بھی سکتا ہے
خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے
آغازِ محبت میں جینے ہی کے لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے
موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی
گرداب کی ہر تہہ میں ساحل نظر آتا ہے

جب پرسشِ حال وہ فرماتے ہیں جانئے کیا ہو جاتا ہے
کچھ یوں بھی زبان نہیں کھلتی کچھ درد سوا ہو جاتا ہے
اب خیر سے ان کی بزم کا استار نگ تو بدلا میرے بعد
جب نام مرا آجاتا ہے کچھ ذکرِ وفا ہو جاتا ہے

میری نظر بھی اب مجھے پہچانتی نہیں
دل کا بھی انقلاب عجب انقلاب ہے

کم دردِ جگر ہے یا بہت ہے   جو آپ سے مل گیا بہت ہے
پچھتائیں گے آپ دل کو لے کر   کم بخت غم آشنا بہت ہے

کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے
خدا کرے کہ مجھے تابِ انتظار رہے

روز بڑھتی ہی رہی اک آرزو   روز ترک آرزو کرتے رہے

مختار ہوں کہ معترفِ جبر دوست ہوں   مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے
اب کس کو اعتبار کہ تو بے وفا نہیں   اب کس کو انتظارِ نگاہِ انتظار ہے

قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دارومدار
سو وہ بھی ان کی اداؤں کے اختیار میں ہے

مُسلّم پرسشِ بیمار لیکن
وہ شانِ چارہ فرمائی کہاں ہے

گم ہیں رہِ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی
سجدہ ہی درِ یار ہے سجدہ ہی جبیں ہے
ایذا کے سوا لذّتِ ایذا بھی ملے گی
کیوں جلوہ گہِ ہوش یہاں دل بھی کہیں ہے

کہتے ہو کہ دل چیپ ہے رودادِ محبت
افسانہ سمجھتے ہو یہ افسانہ نہیں ہے

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلشِ درد کی بن آئی ہے
ترکِ امید بس کی بات نہیں
ورنہ امید کب بر آئی ہے

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

دل اور حکمِ ضبط سے یارائے انحراف
پردے میں کوئی دشمنِ اہلِ وفا بھی ہے

عجزِ گنہ کے دم تک ہیں عصمتِ کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے
دل کا اُجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے
کہتے کہتے مرا افسانہ گلہ ہوتا ہے
دیکھتے دیکھتے تقدیر بدل جاتی ہے

نگاہِ ناز و سوزِ عشق دونوں ایک ہیں لیکن
کہیں ہوتی ہے یہ بجلی کہیں معلوم ہوتی ہے
نہیں معلوم راہ شوق میں ہے بھی کوئی منزل
جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے
زمین حشر فانی کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی یہ زمیں معلوم ہوتی ہے

سرکار پاسِ وضعِ جفا چاہتا ہوں میں
یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے
وہ جنازے پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے

یا ترے محتاج ہیں اے خونِ دل
یا انھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے
تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل
مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے
اُٹھ گئے دنیا سے فانیؔ اہلِ ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

غم وہ بلا نہیں جسے دم دے کے ٹال دوں
سودا یہ وہ نہیں جسے سر سے نکال لئے

موج، کیا گرداب کیسا کیوں کسی کا نام لوں
خود سفینہ ہی مرادعوت ہے طوفاں کے لئے

پھر ہوا گورِ غریباں میں بگولوں کا ہجوم
خاکِ دل اُٹھتی ہے تنظیمِ بیاباں کے لئے
پھر مذاقِ اہلِ دانش چاہتا ہے انقلاب
پھر مری وحشت نے بوسے بابِ زنداں کے لئے

ذوقِ وحشت نو بہ نو زنداں بہ زنداں چاہیئے
جب گلستاں چاہیئے تھا اب بیاباں چاہیئے

ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے
کعبے میں ہے سناٹا بت خانے کو کیا کہیئے
اُجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویران ہے ہر بستی ویرانے کو کیا کہیئے
کس نے اسے دیکھا ہے اے حسرتِ نظارہ
فانی تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہیئے

فردوس بداماں ہے ہر نقشِ خیال اُن کا
یہ شانِ تصور ہے تصویر کو کیا کہیئے
یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانی
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیئے

تھوڑی بھی بہت ہوگی فرصت ہی ہیں سُن لینا
یہ دل کی کہانی ہے کیا کہیے جو کم کہیے

خاکِ وطن ہی راس نہ آئی غربت تو پھر غربت ہے
فانی اپنی خانہ بدوشی خانہ خرابی کیا کہیے

اِک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا
افسانۂ آرزو سُنایا نہ گیا
فانی ارنی نہ اپنے مُنھ سے نکلا
احسانِ تجلّی بھی اُٹھایا نہ گیا

تکمیل بشر نہیں ہے سلطاں ہونا یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہے عجز بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہے انساں ہونا

کتنوں کو جگر کا زخم سیتے دیکھا
دیکھا جسے خونِ دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اور اب
ہم رو دیے جب کسی کو جیتے دیکھا

ترکِ غم سے خوشی کی حسرت نہ مٹی
صورت کے بدل جانے سے صورت نہ مٹی
غم لاکھ غلط کیا مگر پھر غم تھا!
انکارِ حقیقت سے حقیقت نہ مٹی

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہو گیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہو گیا

آہ بتوں پر دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا جان گئی ایمان گیا

وہ سخت جاں ہیں ہم کہ شبِ غم بھی کاٹ دی
فانی ہمیں تو نیند نہ آئی تمام رات

دل اُس کو دے دیا ہے جو دشمن ہے جان کا
اُس دوست پر فدا ہوں جسے ہے عدو پسند

دونوں فتنے ہیں عشق اور محشر
ایک دنیا میں ایک عقبےٰ میں

میرے مرنے کی خبر سُن کے خفا ہو جانا
بد گمانی یہ نہیں تو اسے کیا کہتے ہیں

سازِ ہستی کو بھی اب قُم کے اشارے سے نہ چھیڑ
اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں

کہتے ہیں یہاں حضرت فانیؔ بھی کہیں ہیں
اس انجمن ناز میں کیا ہم بھی کہیں ہیں

ٹالا ہے مجھے وصل کو محشر پہ اُٹھا کر
آجائے اگر کل ہی قیامت تو مزا ہے

گو ایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی
کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے تو قامت ہے

دیکھ فانیؔ وہ کوئی حشر اُٹھاتا آیا
چونک اب خواب لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

یکتائے زمانہ ہونے پر صاحب یہ غرور خدائی کا
سب کچھ ہو مگر خالم بدہن کیا کوئی خدا ہو جاتا ہے
قطرہ قطرہ ہی رہتا ہے دریا سے جدا رہ سکنے تک
جو تابِ جُدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہو جاتا ہے

ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل
عشق ہے راز، عقل پردۂ راز

اے بے خودی ٹھہر کہ بہت دن گزر گئے
مجھ کو خیالِ یار کہیں ڈھونڈتا نہ ہو

گو یا نہیں تغافل و تمکیں میں کوئی فرق
اتنی بھی آدمی کو امیدِ کرم نہ ہو

چمن سے رخصتِ فانیؔ قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامنِ بہار میں ہے

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی
میں محوِ تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی